سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۵)

از: ڈاکٹر اسرار احمد

(تیسرا درس)

ترتیب وتسوید: شیخ جمیل الرحمن/حافظ عاکف سعید

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّیَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝

صدق اللّٰہ العظیم

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْۤ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ

حضرات! اللہ کے نام سے اور اس کی نصرت و تائید کے بھروسہ پر دو جمعوں قبل ہم نے سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے سلسلۂ مطالعہ قرآن مجید کے ضمن میں آغاز کیا تھا۔ پہلی نشست میں ہم نے از سرِ نو قرآن مجید کے مطالعہ کے ضمن میں بعض بنیادی و تعارفی امور کو تازہ کیا۔ اسی سلسلہ کی جو باتیں پہلی نشست میں بیان ہونے سے رہ گئی تھیں، ان کا دوسری نشست میں اختصار کے ساتھ بیان ہوا، ساتھ ہی اس سورت کا تاریخی پس منظر،

© rasailojaraid.com

اس کا زمانۂ نزول، اس کے مخصوص اسلوب کے بارے میں بھی میں پچھلی دونوں نشستوں میں کچھ بنیادی باتیں عرض کر چکا ہوں۔ اس کے بعد ہم نے اس سورۂ مبارکہ کا باقاعدہ مطالعہ شروع کیا۔ تین ابتدائی آیات کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں۔ میں ان آیات کے مباحث و مضامین کا اس وقت تک اعادہ نہیں کروں گا۔ البتہ دو باتیں جو بیان ہونے سے رہ گئی تھیں انہیں میں باقاعدہ مطالعہ سے قبل پیش کر رہا ہوں۔

حضورؐ کا اسمِ گرامی نامِ نامی

پہلی قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک "مُحَمَّدٌ" — صلی اللہ علیہ وسلم — قرآن مجید میں کُل چار مقامات پر آیا ہے۔ یہ سورۂ مبارکہ جو اس وقت ہمارے زیرِ مطالعہ ہے، وہ تو آپؐ کے نامِ نامی ہی سے معنون ہے۔ بقیہ تین مقامات میں سے ایک مقام اس سورہ سے اگلی سورت یعنی سورۃ الفتح ہے۔ اس اعتبار سے بھی ان دونوں سورتوں کے جوڑا ہونے کی حیثیت اور نمایاں ہو گئی — اور اس خاص پہلو سے اس جوڑے کی ایک خصوصی اہمیت ہو گئی — باقی جو دو مقامات ہیں ان میں سے ایک سورۂ آلِ عمران میں ہے، جہاں حضورؐ کا اسمِ گرامی آیا ہے: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ (آیت ۱۴۴) اور ایک جگہ سورۃ الاحزاب میں آپؐ کا نامِ نامی آیا ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰـكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (آیت ۴۰) — اس طرح چار مختلف مقامات پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی آیا ہے۔ سورہ محمّد اور سورۂ فتح متصلاً آئی ہیں۔ سورہ محمّد کی دوسری ہی آیت میں جو ہم پڑھ چکے ہیں، آپؐ کا نامِ نامی آیا ہے — جبکہ سورہ فتح کی آخری آیت کے آغاز میں، جو طویل آیات میں سے ہے، حضورؐ کا اسمِ مبارک آیا: مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ (آیت ۲۹)

مشابہ الفاظ

دوسری قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس سورہ مبارکہ میں آنے والے تین الفاظ خاص طور لائقِ توجہ ہیں۔ ان تینوں کا مفہوم ایک دوسرے سے بہت ہی مشابہ ہے، بہت ہی قریب ہے — ایک ہے اِضلال، ایک ہے اِبطال

id.com

اور ایک ہے اِحباط — تینوں کا حاصل کیا ہے! اعمال کا بھٹک جانا، اکارت ہوجانا، ضائع ہوجانا، بے نتیجہ ہوجانا، برباد ہوجانا، عبث ہوجانا — جیسے پہلی آیت میں آیا: اَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ — یہ لفظ تو اس سورت میں مختلف صیغوں میں بار بار آئے گا۔ اللہ نے اُن کی کوششوں کو رائیگاں کردیا، ان کی محنت کو بے نتیجہ کردیا۔ اسی طرح دوسرا لفظ ہے ابطال — یہ لفظ سورہ بقرہ میں اس طور پر آیا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی — ”اے اہلِ ایمان اپنی خیرات کو باطل نہ کرلو، بے نتیجہ نہ کرلو کہ اس کا کوئی اجر و ثواب تمہیں نہ ملے — اگر تم کسی کو کچھ دے کر اس پر احسان جتاؤ گے یا اور کوئی تکلیف دہ بات اِس سے کہو گے تو جو نیکی تم نے کی تھی وہ اکارت گئی“ — یہ لفظ بھی کئی بار مختلف صیغوں میں آیا ہے — تیسرا لفظ ہے اِحباط (حبطِ اعمال) سورۃ الحجرات جو سورۃ الفتح کے بعد آئے گی اُس میں بھی یہ لفظ آئے گا کہ اے مسلمانو! نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کر بیٹھنا۔ کبھی انؐ سے بلند آواز سے گفتگو نہ کرلینا جیسے آپس میں کرلیتے ہو — اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ۔ مبادا تمہارے تمام اعمال حبط ہوجائیں، رائیگاں ہوجائیں، اکارت ہوجائیں — وہاں تو یہ لفظ ثلاثی مجرد سے آیا ہے۔ لیکن اس سورت میں یہ لفظ ثلاثی مزید فیہ سے باب افعال سے آیا ہے: اَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ ”پس اللہ نے ان کے اعمال ضائع کردیئے“۔ یہ جو قریباً ہم مفہوم و ہم معنی الفاظ ہیں، ان میں باریک سا فرق کیا ہے! — یہ میں نے کئی مرتبہ عرض کیا ہے کہ کسی بھی زبان کے دو لفظ بالکل ہم معنی نہیں ہوسکتے۔

اضلال کا مفہوم: جہاں تک میں نے لفظ اضلال پر غور کیا ہے تو اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ کسی کی محنت، کسی کی کوشش اصل ہدف سے ہٹ جائے۔ اس نے اپنے پیشِ نظر کام کے لیے محنت بھی کی، مشقت بھی کی، خون پسینہ ایک کیا لیکن اس کی کوشش اپنے اصل ہدف سے ہٹ گئی۔ یہ ہے اضلال: اَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ۔ بھٹکا دیا اللہ نے ان کی کوششوں کو، — مشرکینِ مکہ نے سرتوڑ کوششیں کیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ روکنے کے لیے، اسلام کا راستہ روکنے کے لیے۔ دعوتِ توحید کی توسیع میں جو رکاوٹ وہ ڈال سکتے تھے وہ انہوں نے بھرپور طور پر ڈالی۔ لیکن ان کی تمام محنتیں رائیگاں گئیں۔ آپ

© rasailojaraid

غور کیجیے کہ انھوں نے اپنے ستتر سر برآوردہ لوگوں کی جانوں کی قربانی میدانِ بدر میں کس لیے دی!! اِس لیے کہ دعوتِ توحید کا راستہ روکیں اور اپنے آبائی مشرکانہ نظام کا تحفظ کریں۔ یہ مقصد ان کے پیشِ نظر تھا۔ جس کے لیے وہ کوششیں اور محنتیں کر رہے تھے، ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ حتیٰ کہ جانوں کی بازی بھی لگا دی۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے اس اعتبار سے ان کی تمام کوششوں کو رائیگاں کر دیا کہ وہ اپنے اصل ہدف ہی سے ہٹ گئیں۔ وہ جو علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے ع "آہ وہ تیرِ نیم کش، جس کا نہ ہو کوئی ہدف"! — لیکن یہ مختلف سی بات ہے بے اختیار زبان پر آگئی — وہاں تو مشرکین کا ہدف معیّن تھا مگر اللہ نے ان کی کوششوں کا رُخ اس کی طرف سے ہٹا دیا۔

باطل کا مفہوم: جہاں تک لفظ باطل کا تعلق ہے جس سے بابِ افعال سے ابطال بنا تو اس کا مفہوم ہوگا ایک چیز بظاہر تو خوب نظر آ رہی ہو، لیکن نہ اس میں کوئی خیر ہو اور نہ اس کی کوئی حقیقت ہو۔ جیسے ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اے مسلمانو، تمہاری حیثیت ایسی ہو جائے گی جیسے سیلاب کے اُوپر کا جھاگ" کَغُثَاءِ السَّیْلِ " تمہاری تعداد دنیا میں بہت ہوگی لیکن اُس کا حال سیلاب کے اوپر آنے والے جھاگ کا ہوگا جیسے آج کل ہم فخر کرتے ہیں کہ اس وقت ایک ارب سے زیادہ مسلمان ہیں — لیکن اُن کی معنوی حقیقت کیا ہے! وہ کس سے پوشیدہ ہے! — یہ ہے اصل میں باطل — قرآن مجید میں 'حق' کے مقابل میں 'باطل' کا لفظ لایا جاتا ہے۔ چنانچہ سورہ حج میں فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ " یہ اس لیے کہ درحقیقت اللہ ہی 'الحق' ہے اور جن ہستیوں کو یہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا وہ باطل ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں"۔ گویا باطل وہ شے ہے جو بظاہر نظر آئے لیکن اس کی حقیقتِ معنوی کچھ نہ ہو۔ لہٰذا ابطال کا مفہوم ہوگا کسی چیز کو محو کر دینا، مٹا دینا۔

احباط کا مفہوم: احباط کے لفظی معنی ہوں گے ضائع کر دینا، اکارت کر دینا، مراد یہ ہے کہ ایک عمل صحیح ہے درست نیت سے کیا گیا ہے، اس میں محنت بھی کی گئی ہے۔

id.com

لیکن انسان اس کے ساتھ یا بعد میں کوئی کام ایسا کر بیٹھتا ہے جو اس کے صحیح اعمال کو بھی ضائع کر دیتا ہے۔ کوئی ایسی غلطی، کوئی ایسی خطا، کوئی ایسا بڑا جرم صادر ہو جاتا ہے کہ وہ کیے کرائے پر پانی پھیر دیتا ہے۔ یہ ہے احباط ۔ یعنی صحیح اعمال کا برباد ہو جانا۔

اس پوری بحث میں ہمارے لیے عبرت کا پہلو یہ ہے کہ ہمیں اپنے اعمال کے معاملے میں نہایت محتاط رہنا چاہیئے۔ یہ تو انتہائی نقصان کا سودا ہے کہ محنت بھی ہو، کوشش بھی ہو، جدّ و جہد بھی ہو اور انسان خون پسینہ بھی ایک کرے لیکن اس کا حاصل کچھ نہ ہو۔ وہ اپنے ہدف سے بھٹکی ہوئی ہوں — تو اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے۔ آمین۔

مطالعہ کا آغاز

اس تمہیدی گفتگو کے بعد اب ہم اللہ کے نام سے مطالعہ کا آغاز کرتے ہیں۔ آپ حضرات سے درخواست ہے کہ اپنی توجہات کو متن (TEXT) پر اچھی طرح مرتکز فرمالیجئے — چوتھی آیت کی تلاوت میں آغاز میں کر چکا ہوں۔ اب پہلے اس کا ایک رواں ترجمہ کر لیتے ہیں۔

"پس جب تمہاری اُن کافروں سے مڈبھیڑ ہو (جن کا ذکر پہلی اور تیسری آیت میں آچکا ہے) تو پہلا کام یہ ہے کہ ان کی گردنیں خوب مارو۔ یہاں تک کہ جب تم اُن کو خوب قتل کر چکو، ان کو اچھی طرح کچل چکو تو پھر زندہ بچ جانے والوں کو بحیثیتِ قیدی مضبوطی سے باندھ لو۔ اس کے بعد تمہیں اختیار ہے کہ احسان کرو۔ یا فدیہ کا معاملہ کرو۔ حتّٰی کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔" (یعنی حالتِ جنگ بالکلیہ ختم ہو جائے۔ کفر مغلوب اور حق غالب آجائے)

اس آیت کی اہمیت

اس آیت کے متعلق میں اسی درس کے دوران آپ کو بتا چکا ہوں کہ یہ قرآن مجید کی نہایت اہم آیات میں سے ہے۔ بعض اعتبارات سے ہم اسے مشکلات القرآن میں شمار کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس آیت پر کافی غور و خوض کرنا ہو گا اور اس کے صحیح و حقیقی مفہوم کو اچھی طرح سمجھنا ہو گا۔ اس لیے بھی کہ اس آیت پر منکرینِ حدیث نے ڈیرہ لگایا ہے۔ خاص طور پر غلام احمد پرویز صاحب نے

© rasailojaraid

غلامی کا جو تصور اسلام میں سلف سے چلا آ رہا ہے اس کی نفی کرنے کے لیے اس آیت پر مورچہ لگایا ہے اور اپنے اس مُوقف کی تائید میں کہ اسلام میں غلامی کا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ بطور استشہاد اس آیت کو پیش کیا ہے۔ حالانکہ یہ چیز احادیث سے ثابت، تعاملِ خلفائے راشدین و مہدیین رض سے ثابت، صحابہ کرام رض کے اثر سے ثابت، تمام فقہاء و مجتہدینِ امت سے ثابت،۔ پھر سب سے اہم اور فیصلہ کُن بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں ہے کہ جس میں غلامی کے متعلق صراحت سے یا کنایتہً یہ حکم آیا ہو کہ آج سے یہ ادارہ (INSTITUTION) ختم اور غلامی حرام کر دی گئی ہے۔ جیسے کہ آپ کو معلوم ہے کہ شراب کی پہلے تو تدریجاً مذمت ہوئی اور بالآخر سورۂ مائدہ میں اس کی قطعی حرمت کا حکم آ گیا اور دھمکی آ گئی: فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ط۔ " شراب باز آتے ہو کہ نہیں!"۔ تو جو لوگ ساری ساری عمر شراب پیتے رہے تھے، وہ تائب ہو گئے۔ لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ دیئے۔ مے خانے برباد کر دیئے، مدینہ کی گلیوں میں شراب بارش کے پانی کی طرح بہتی نظر آئی۔ جس کے ہونٹوں تک جام پہنچ گیا تھا اُس نے حکم سنتے ہی وہیں ہاتھ روک لیا۔ جو گھونٹ لے چکے تھے، انہوں نے کلّی کر دی، جو کچھ حصّہ حلق سے اُتار چکے تھے، انہوں نے حلق میں اُنگلیاں ڈال کر قے کر دی کہ حکم آنے کے بعد اللہ کی حرام کردہ شے ان کے شکم میں نہ رہے۔ لیکن غلامی کے ادارہ کی حُرمت کے لیے کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی لہٰذا یہ نظام چلتا رہا۔ کیا کوئی سلیم العقل شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ قرآن مجید میں صراحتہً تو در کنار اگر اشارتاً بھی غلامی کی حُرمت کے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی ہوتی اور اس کے باوجود یہ سلسلہ جاری رہ جاتا!! جن لوگوں کی گھٹی میں شراب پڑی ہوئی تھی جس کے وہ سالہا سال سے خوگر تھے، جو ان کی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تربیت و تزکیہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ حرمت کا حکم آ جانے کے بعد ان لوگوں نے نگاہ اٹھا کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔ تو اگر غلامی کی حُرمت کا صریح حکم آ جاتا تو کیا اس بات کا امکان تھا کہ وہ قدسی صفت اصحابِ رسول رض غلامی کے 'INSTITUTION' کو باقی رکھتے! ۔۔۔ کیا تمام غلام دفعتہً آزاد نہ ہو جاتے!! یہ دوسری بات ہے کہ آج کے دور میں غلامی کی گنجائش (SCOPE)

غلامی کا جو تصور اسلام میں سلف سے چلا آ رہا ہے اس کی نفی کرنے کے لیے اس آیت پر پورا زور لگایا ہے اور اپنے اس موقف کی تائید میں کہ اسلام میں غلامی کا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ بطور استشہاد اس آیت کو پیش کیا ہے۔ حالانکہ یہ چیز احادیث سے ثابت، تعامل خلفائے راشدین و مہدیین رض سے ثابت، صحابہ کرام رض کے آثار سے ثابت، تمام فقہاء و مجتہدینِ امت سے ثابت، ۔۔ پھر سب سے اہم اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں ہے کہ جس میں غلامی کے متعلق صراحت سے یا کنایتہً یہ حکم آیا ہو کہ آج سے یہ ادارہ (INSTITUTION) ختم اور غلامی حرام کر دی گئی ہے۔ جیسے کہ آپ کو معلوم ہے کہ شراب کی پہلے تو تدریجاً مذمت ہوئی اور بالآخر سورۂ مائدہ میں اس کی قطعی حرمت کا حکم آ گیا اور دھمکی آ گئی: فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ط۔ " تم اب باز آتے ہو کہ نہیں!"۔ **تو جو لوگ ساری** ساری عمر شراب پیتے رہے تھے، وہ تائب ہو گئے۔ لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ دیئے۔ مے خانے برباد کر دیئے، مدینہ کی گلیوں میں شراب بارش کے پانی کی طرح بہتی نظر آئی۔ جس کے ہونٹوں تک جام پہنچ گیا تھا اُس نے حکم سنتے ہی وہیں ہاتھ روک لیا۔ جو گھونٹ لے چکے تھے، انہوں نے کلی کر دی، جو کچھ حصہ حلق سے اُتار چکے تھے، انہوں نے حلق میں اُنگلیاں ڈال کر قے کر دی کہ حکم آنے کے بعد اللہ کی حرام کردہ شے ان کے شکم میں نہ رہے۔ لیکن غلامی کے ادارہ کی حرمت کے لیے کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی لہٰذا یہ نظام چلتا رہا۔ کیا کوئی سلیم العقل شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ قرآن مجید میں صراحتہً تو درکنار اگر اشارتاً بھی غلامی کی حرمت کے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی ہوتی اور اس کے باوجود یہ سلسلہ جاری رہ جاتا!! جن لوگوں کی گھٹی میں شراب پڑی ہوئی تھی جس کے وہ سالہا سال سے خوگر تھے، جو ان کی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و تزکیہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ حرمت کا حکم آ جانے کے بعد ان لوگوں نے نگاہ اٹھا کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔ تو اگر غلامی کی حرمت کا صریح حکم آ جاتا تو کیا اس بات کا امکان تھا کہ وہ قدسی صفت اصحابِ رسول غلامی کے 'INSTITUTION' کو باقی رکھتے!۔۔۔ کیا تمام غلام دفعتہً آزاد نہ ہو جاتے!! یہ دوسری بات ہے کہ آج کے دور میں غلامی کی گنجائش (SCOPE)

com

کیا ہے، آج اس کے اطلاق (APPLICATION) کی صورت کیا ہو گی! یہ معاملات بالکل علاحدہ ہیں، مَیں اس وقت اس مسئلے پر بحث نہیں کر رہا۔ اس وقت مَیں جو بات آپ کے سامنے رکھنا چاہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ غلامی، کا ذکر آپ کو احادیث میں ملے گا، تعاملِ صحابہ رضؓ میں ملے گا۔ فقہ کی کتابوں میں اس کا مستقل باب ملے گا۔ لہٰذا مَیں پھر عرض کروں گا کہ جو چیز حرام کر دی گئی ہو، کیا صحابہ رضؓ کرام اس پر عمل پیرا رہ سکتے تھے! اور کیا ہمارے فقہاءؒ اور مجتہدینؒ اُمت اس بات سے لاعلم اور ناواقف رہتے کہ غلامی کا INSTITUTION حرام ہو چکا ہے!!

اِس تجدد پسندی کے غلط نتائج: مَیں نے اغلباً ایک سال قبل ایک تقریر میں عرض کیا تھا کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بظاہر بات چھوٹی سی ہوتی ہے لیکن اس تِل کی اوٹ میں پہاڑ ہوتا ہے۔ ایک ایسی بات کے متعلق جو صحابہ کرام رضؓ، تابعین عظام رحؒ، محدثین کرام رحؒ اور ائمہ مجتہدین رحؒ کے تعامل اور آراء کی روشنی میں متواتر چلی آ رہی ہو، اگر ہم مان لیں کہ یہ تو غلط ہے، قرآن مجید کے نص اور اس کی منشاء و مدعا کے خلاف ہے۔ تو گویا ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ یہ مسئلہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی سمجھ میں نہیں آیا۔ تابعین سے لے کر اب تک کے تمام علمائے حق میں سے کوئی بھی پوری عمر قرآن مجید کا مطالعہ اور اس پر غور و تدبر کرنے اور اس کی تعلیم و تدریس میں مصروف رہنے کے باوجود اس "حقیقت" کو نہ سمجھ سکا کہ راہِ حق اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد و قتال کے نتیجہ میں جو کفار قید ہو جائیں انہیں از روئے قرآن غلام نہیں بنایا جا سکتا! قرآن نے تو ہمیشہ کے لیے غلامی کے سلسلہ اور ادارہ (INSTITUTION) کو حرام اور ناجائز قرار دے دیا ہے! اس مسئلہ کو صحیح طور پر قرآن مجید سے سمجھا ہے تو وہ غلام احمد پرویز صاحب نے سمجھا ہے ـــــ یہ بات اگر کسی کے ذہن و قلب اور شعور و ادراک میں بیٹھ جائے گی تو وہ تمام اسلاف اور مفسرینِ متقدمین بلکہ صحابہ کرام رضؓ تک سے بدگمان ہو جائے گا ـــــ یہ ہے سب سے خطرناک بات۔ اب گویا وہ اپنے ماضی سے کٹ گیا، اسلاف سے کٹ گیا اس کے دل میں اُن کی کوئی عظمت نہیں رہی ـــ اب وہ کٹی ہوئی پتنگ کے مانند ہو گیا ہے کہ ہوا

© rasailojaraid.

کے رحم وکرم پر ہے ہَوا اُسے جدھر چاہے لے جائے — یہی معاملہ مرزا غلام احمد قادیانی نے کیا تھا۔ رفع و نزولِ مسیحؑ کے مسئلہ پر اُس نے بحث اُٹھائی سلف سے لے کر اُس وقت تک جو عقیدہ تواتر سے چلا آ رہا تھا، اُسے اُس نے غلط قرار دیا اور اس کے لیے عقلی دلائل کے انبار لگا دیئے۔ اب جس نے اس کی یہ بات مان لی، اُس کا اپنے ماضی سے تعلق منقطع ہو گیا اور وہ اپنے اسلاف کے فہم و ذکا کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو گیا۔ ایسے لوگ بہت آسان شکار ثابت ہوں گے کہ ان کے "ممدوحین" اُن سے رفتہ رفتہ جو چاہیں منوا لیں[1]۔ تو بات بظاہر بہت چھوٹی ہوتی ہے لیکن اس کا نتیجہ بہت دُوررس ہوتا ہے — ایک گمراہی پر پھر بہت سی گمراہیوں کی تہہ پر تہہ جمتی چلی جاتی ہے اور ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے —

لہٰذا اس پس منظر میں اس آیت کی بڑی اہمیت ہے۔ اِس لیے دوبارہ عرض کرتا ہوں کہ اس کے ایک ایک لفظ پر اپنی توجہات مرتکز کیجئے اور اُسے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

آیت کا مطالعہ

فرمایا: فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا "پس جب تمہاری ان کافروں سے مڈبھیڑ ہو جائے"۔ لِقَا، ملاقات کو کہتے ہیں۔ لیکن جب جنگ کے لیے دو فریق آمنے سامنے مقابلہ کے لیے آ جائیں تو اُسے یہاں 'لِقَا' سے تعبیر کیا گیا اور ہمارے محاورہ میں اس کے لیے 'مڈبھیڑ ہو جانا' کے الفاظ بہت مناسب ہیں — تو یہاں فرمایا کہ اے اہلِ ایمان! جب ان کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے تو پہلا کام یہ کرو: فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط "پس ان کی گردنوں کو مارو جیسا کہ مارنے کا حق ہے"۔ اب نوٹ کیجئے کہ یہاں 'ضَرْبَ' مصدر کی شکل میں آیا ہے اور مفعول مطلق کا فائدہ دے رہا ہے — اور اس بات کو عربی

---

[1] چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تو بات اپنے دعویٰ نبوت تک پہنچا دی اور پرویز صاحب نے اسی بات کے سہارے نہ معلوم کتنوں کو انکارِ حدیث کے فتنہ میں مبتلا کر دیا۔ ان لوگوں کے نزدیک سنّتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام دائمی حجیت کا مقام نہیں رکھتی۔

id.com

زبان کا ہر طالب علم بخوبی جانتا ہے کہ مصدر کو مفعولِ مطلق کے طور پر استعمال کرنے سے کلام میں تاکید اور زور پیدا ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ سورۃ نساء میں فرمایا: وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا "اللہ نے موسیٰؑ سے کلام کیا جیسے کلام کیا جاتا ہے" تو یہاں فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط قرآن مجید کی بلاغت کا ایک نمونہ ہے۔ چنانچہ ہمارے مفسرین نے یہاں فعل امر کو محذوف مانا ہے۔ یہاں اس کا مفہوم ہو گا: فَاضْرِبُوْا هُمْ ضَرْبَ الرِّقَابِ ط مار دان کو اور ان کی گردنوں کا مارنا مارو — یعنی ان کو کیفرِ کردار تک خوب اچھی طرح پہنچاؤ —

اثخان کا مفہوم: آگے فرمایا: حَتّٰى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ ط "یہاں تک کہ جب تم ان کو خوب کچل دو" یہ اثخان کا لفظ سورۃ الانفال میں بھی آیا ہے اور میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ وہ سورت غزوۂ بدر کے فوراً بعد نازل ہوئی تھی۔ اور سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم پڑھ رہے ہیں، وہ غزوۂ بدر سے متصلاً قبل نازل ہوئی — اور یہ اثخان کا لفظ صرف ان دو سورتوں میں آیا ہے۔ اثخان کا مفہوم ہے دشمن کو چُور چُور کر دینا، کچل دینا، ایسی خونریزی کرنا کہ اُس میں کوئی ہمت و حوصلہ باقی نہ رہے۔ کوئی مقاومت نہ رہے۔ کمر ہمت اس درجہ ٹوٹ جائے کہ اس میں دوبارہ مقابلہ میں آنے کا ارادہ تک باقی نہ رہے۔ یہ ہے اثخان کا مفہوم — سورۃ الانفال میں جو یہ لفظ استعمال ہوا ہے، اس کا ذکر میں بعد میں کروں گا۔

آگے چلیے فرمایا: فَشُدُّوا الْوَثَاقَ — ترجمہ ہو گا کہ "پھر ان کو باندھو اور خوب مضبوطی کے ساتھ باندھو" شَدَّ، یَشُدُّ، کے معنی ہیں زور کے ساتھ پھر اس میں باندھنے کا مفہوم بھی ہے — آگے آیا وَثَاق اور یہ لفظ ہمارے یہاں بھی وثیقہ اور میثاق کی شکل میں مستعمل ہے — میثاق کے معنی ہیں معاہدہ۔ معاہدہ وہ چیز ہوتی ہے جو باندھ دیتی ہے — لہٰذا دو فریقوں کو باہم باندھ لینے والی جو چیز ہے وہ میثاق ہے — تو یہاں "فَشُدُّوا الْوَثَاقَ" کا مطلب ہوا "پھر ان کو باندھو

© rasailojaraid.com

اور خوب مضبوطی سے باندھو" — یہ میں نے قریباً لفظی ترجمہ کیا ہے — اس سے مراد کیا ہے! اُسے میں بعد میں بیان کروں گا — آگے فرمایا: فَاِمَّا مَنًّا ۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً "تو بعد میں پھر خواہ ان پر احسان کرو خواہ ان سے فدیہ قبول کرلو" یہاں بَعْدُ کا تعلق کس سے ہے! وہ بات آگے آرہی ہے: حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا "یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے — اپنے ہتھیار رکھ دے" یعنی یہ کہ کشمکش ختم ہوجائے، قطعی فیصلہ ہوجائے اور تمہاری کامیابی فیصلہ کن مرحلہ تک پہنچ چکی ہو — گویا ایسی صورتِ حال کہ جنگ بالکل ختم ہوگئی، دشمن نے بالآخر ہتھیار ڈال دیئے — اصل میں 'بَعْدُ' کا تعلق آیت کے اس ٹکڑے سے ہے — گویا ترتیب یوں بنے گی: فَشُدُّوا الْوَثَاقَ حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا فَاِمَّا مَنًّا ۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً "پس ان کو باندھے رکھو خوب مضبوطی کے ساتھ۔ یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے۔ تو پھر اس کے بعد اب تمہیں اختیار ہے کہ چاہو تو ان پر احسان دھرو اور انہیں چھوڑ دو اور چاہو تو فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دو"

قرآن مجید کا خاص اسلوب: اس کے بعد فرمایا: ذٰلِكَ — یہ قرآن مجید کا مخصوص اسلوب ہے کہ بات تو پوری ہوگئی لیکن 'ذٰلِكَ' فرما کر ساری بات کا اعادہ فرمایا جا رہا ہے کہ "دیکھو! یہ ہے وہ بات جو کہی جا رہی ہے" یعنی اس کو اچھی طرح سمجھ لو، اسے حرزِ جان بنا لو، اسے ذہن نشین کرلو — یہ ہے تمہارے کرنے کا کام — اس سے ذرہ برابر بھی انحراف نہ ہونے پائے — یہ ہے حالاتِ موجودہ کے لیے ہدایت جو اللہ تعالیٰ تمہیں دے رہا ہے۔

زیرِ مطالعہ آیت کے اس حصہ کو سمجھنے کے لیے ہجرت کے بعد کی صورتِ حال کے ساتھ ساتھ اس کشاکش (STRUGGLE) کے تین مراحل کو بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے جو آغازِ دعوت سے لے کر اس سورۂ مبارکہ کے نزول تک مشرکینِ مکہ اور اہلِ ایمان میں ہوتی چلی آرہی تھی۔

id.com

کشمکش کے تین مراحل

مکہ میں اہلِ ایمان کو ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ ان کو حکم تھا کہ مشرکین کے مظالم جھیلو برداشت کرو، خواہ وہ تمہاری جان لینے کے درپے ہو جائیں۔ کسی صاحبِ ایمان کو اپنی مدافعت میں کسی جوابی کارروائی کی بھی اجازت نہیں تھی۔ اس مرحلے کی طرف واضح اشارہ سورۃ النساء میں موجود ہے کہ: " اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَھُمْ کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ " اسے ہم کشمکش کا پہلا مرحلہ قرار دے سکتے ہیں۔

دوسرا مرحلہ: اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی عام اجازت۔ ہجرتِ مدینہ کے ساتھ ہی اس مرحلے کا آغاز ہو جاتا ہے کہ: " اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا " (الی اٰخر)۔ سورۃ الحج کی اس آیت کے متعلق میرا خیال تھا۔ اور الحمد للہ مجھے اس کی تائید میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول بھی مل گیا جس سے مجھے تقویت حاصل ہو گئی۔ کہ یہ آیت اثنائے سفرِ ہجرت میں نازل ہوئی ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں ورودِ مسعود سے پہلے پہلے اہلِ ایمان کو اجازت مل گئی کہ اب تم بھی بدلہ لے سکتے ہو۔ یہ دوسرا مرحلہ ہے۔

تیسرا مرحلہ: ہجرتِ مدینہ کے بعد ابتدائی دو سالوں کے دوران سورہ بقرہ نازل ہوئی۔ جس میں قتال کا حکم وارد ہوا: " وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ "۔ "جنگ کرو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں"۔ پھر اسی سورہ بقرہ میں آگے چل کر فرمایا گیا: کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ۔ "تم پر جنگ فرض کر دی گئی ہے"۔ اس حکم کے ذریعے جنگ تو فرض کر دی گئی۔ لیکن اُس وقت تک جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی۔ البتہ آہستہ آہستہ حالات اُدھر جا رہے تھے کہ یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ باقاعدہ مسلح تصادم کا مرحلہ جلد آ کر رہے گا۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد حضورؐ کے اہم اقدامات

کچھ دنوں سے میں جمعوں کی تقریروں

© rasailojaraid.c

میں "اسلامی انقلاب" کے مراحل بسیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے تسلسل کے ساتھ بیان کر رہا ہوں[۱]۔ میں ان میں بتا چکا ہوں کہ مدینہ تشریف لانے کے بعد ابتدائی چھ مہینوں تک آپؐ نے مشرکین مکہ کے خلاف کوئی اقدام نہیں فرمایا۔ بلکہ فی الفور اپنی توجہات اور مساعی کو مدینہ میں اپنی پوزیشن کو مستحکم اور مضبوط (CONSOLIDATE) کرنے کی طرف مرتکز رکھا۔ اس عرصہ میں حضورؐ نے تین ایسے کام انجام دیئے جن کا تعلق بالکلیہ داخلی استحکام سے تھا۔

پہلا کام مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کا آغاز تاکہ جلد از جلد نماز پنجگانہ کی ادائیگی، تعلیم و تربیت اور مشاورت کے لیے ایک مرکز مہیا ہو جائے۔

دوسرا کام: مہاجرین و انصار میں مواخات، بھائی چارے کی عملی صورت — تاکہ ان میں کوئی مغائرت نہ رہے — اور یہ کام اس شان سے عمل میں آیا کہ تاریخِ انسانی اس کی کوئی نظیر آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔

تیسرا کام: یہودیوں کے اُن تین قبائل کے ساتھ معاہدے، جو مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں آباد تھے کہ وہ مشرکین مکہ کا ساتھ نہیں دیں گے بلکہ اگر وہ مدینہ پر حملہ آور ہوں گے تو یہود دفاع اور مدافعت میں اہلِ ایمان کا ساتھ دیں گے — یہ تینوں کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست اور تدبر کے وہ شاہکار ہیں کہ کٹر سے کٹر دشمنانِ اسلام بھی ان پر حضورؐ کو خراجِ تحسین پیش کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں — یہ معاہدے یہود کے گلے کا ہار بن گئے اور ان کی وجہ سے وہ کبھی کھُل کر مشرکین کی حمایت میں مسلمانوں کے خلاف کھڑے نہیں ہو سکے لیکن اندر ہی اندر مشرکین کے ساتھ ساز باز اور ریشہ دوانیاں کرتے رہے اور ان کو مسلمانوں کے خلاف مسلح اقدامات کرنے پر اُکساتے رہے۔ اس طرح وہ معاہدے کی خلاف ورزی کا ارتکاب

---

[۱] ڈاکٹر صاحب محترم کے یہ خطابات ماہنامہ میثاق کے جون ۸۵ء کے شمارے سے سلسلہ وار شائع ہو رہے ہیں۔ اور ان کے کیسٹس بھی موجود ہیں (ادارہ)

id.com

کرتے رہے جس کی بنا پر اس میں مختلف مواقع پر حضورؐ کو ان تینوں قبائل کے خلاف اقدامات کرنے پڑے اور مدینہ ان آستینوں کے سانپوں کے وجود سے خالی ہو گیا۔

مشرکینِ مکہ کے خلاف اقدام کی ابتداء: مدینہ میں ابتدائی چھ ماہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے داخلی استحکام میں لگانے کے بعد مشرکینِ مکہ کے خلاف اقدام کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ آپؐ نے مکہ والوں کے خلاف مہمیں اور دستے بھیجنے شروع فرمائے۔ ان میں سے چار میں آپؐ خود بھی بنفسِ نفیس تشریف لے گئے۔ ان مہموں کے دو مقصد تھے۔ ایک یہ کہ قریش کے تجارتی راستوں کو مخدوش بنا دیا جائے اور قریش پر واضح کر دیا جائے کہ تمہاری معاش کی شہ رگ ہماری دسترس میں ہے، ہماری زد میں ہے۔ یہ گویا ان کے لیے ایک دھمکی کا انداز تھا۔ دوسرے یہ کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان بسنے والے جن قبائل سے قریش کے ساتھ دوستی کے معاہدے تھے، حضورؐ نے ان سے معاہدے کر کے یا تو ان کو اپنا حلیف بنا لیا یا ان کو غیر جانبدار (NEUTRALIZE) کر لیا۔ حضورؐ کے ان دو اقدامات میں سے پہلے کو جدید اصطلاح میں قریش کی معاشی ناکہ بندی (ECONOMIC BLOCKADE) اور دوسرے کو سیاسی ناکہ بندی (POLITICAL ISOLATION) قرار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ رمضان المبارک ۱ھ سے لے رمضان ۲ھ تک یعنی غزوۂ بدر سے پہلے پہلے ایک سال کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ مہمیں بھیجیں۔ لیکن پہلی باقاعدہ جنگ درحقیقت غزوۂ بدر ہی ہے جو اس سورۂ مبارکہ کے نزول کے متصلاً بعد پیش آئی۔

اس سلسلۂ درس کے معاملے میں میرا طرزِ عمل: اپنے متعلق آپ کو ایک بات اس موقع پر بتاتا ہوں۔ ایک طویل عرصے کے بعد سلسلہ وار درسِ قرآن کا معاملہ اب دوبارہ شروع ہوا ہے تو اس سلسلہ کی پہلی سورۃ یہ سورۃ محمدؐ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وہ سورتیں ہیں جن کا درس اس سے پہلے میں نے نہیں دیا۔ اس لیے کہ ہم قرآن کے ترتیب وار مطالعہ کے نتیجے میں یہاں تک پہنچے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ تجدیدِ درس کے فیصلے کے بعد سے یہ سورۂ مبارکہ میرے ذہن پر طاری ہے اور

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس سورہ مبارکہ پر غور و فکر مسلسل جاری ہے۔ چنانچہ جب سے یہ درس شروع ہوا ہے، میں قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد میں فجر کی نماز میں متعدد بار اس کی تلاوت کرا کے اسے سن چکا ہوں — ایک ہے انسان کا خود پڑھنا اور غور و فکر کرنا، ایک ہے کسی سے اس کی قراءت توجہ کے ساتھ سننا — ان میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی جگہ علیحدہ علیحدہ تاثیر اور افادیت ہے — تو قرآن مجید کو پڑھنے اور سمجھنے کا محض کوئی ایک انداز نہیں ہے — میں نے اس سورۂ مبارکہ پر ہر پہلو سے اپنی امکانی حد تک غور و فکر کیا ہے۔

سورۂ مبارکہ کا زمانۂ نزول : اس غور و فکر کے نتیجہ میں میرا گمان یہ ہے کہ یہ سورۂ مبارکہ اس مشاورت کے بعد نازل ہوئی ہے جس میں فیصلہ ہوا تھا کہ اب ہمیں قریش کے لشکر کی طرف چلنا ہے جس کے نتیجہ میں غزوۂ بدر واقع ہوا۔ واللہ اعلم۔ اس واقعہ کو ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ غزوہ بدر سے پہلے کوئی باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی تھی۔ حضورؐ نے صرف اقدامات فرمائے تھے اور آٹھ مہمیں بھیجی تھیں۔ ان مہموں میں سے کسی میں بھی آپؐ نے انصارؓ میں سے کسی کو شامل نہیں فرمایا تھا۔ صرف مہاجرینؓ ان مہمات میں شامل کیے گئے تھے۔ مہاجرین مکہ سے بے سر و سامانی کی حالت میں آئے تھے۔ بے گھر تھے اور اہل و عیال سے کٹے ہوئے تھے۔ گویا وہ تو جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے تھے۔ لہٰذا ان کو تو جہاد و قتال کے لیے کسی اضافی تشویق اور ترغیب کی ضرورت نہیں تھی۔ البتہ انصارؓ کا معاملہ یہ تھا کہ انہوں نے جب مکہ جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور آپؐ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی تھی تو اس وقت بیعت عقبہ ثانیہ میں یہ الفاظ بھی شامل تھے کہ اگر مدینہ پر حملہ ہو گا تو ہم آپؐ کی ایسے حفاظت کریں گے جیسے اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں۔ ابھی تک مدینہ پر کوئی حملہ ہوا نہیں تھا — یہ بات خاص طور پر ذہن میں رکھئے کہ غزوہ بدر سے پہلے کی یہ آٹھ مہمات دفاعی نوعیت کی نہیں تھیں یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا آگے بڑھ کر اقدامات فرمائے تھے — باطل اگر گھر میں بیٹھا رہے گا تو کیا آپؐ اسے چھوٹ دیئے رکھیں گے کہ وہ باقی رہے! بلکہ اہل ایمان کا

id.com

تو کام ہی باطل کو ختم کرنا ہے۔ دراصل یہ مہمیں تو دشمن کو اس کے بل سے نکالنے کے لیے تھیں۔ ان آٹھ مہموں میں آخری مہم، غزدہ ذو العشیرہ کہلاتا ہے۔ اس مہم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک ہوئے۔ اس میں آپؐ کے ہمراہ ڈیڑھ سو افراد تھے جو تمام کے تمام مہاجرین تھے۔ اس مہم کا مقصد اس بڑے تجارتی قافلہ کو روکنا (یعنی DISTURB کرنا) تھا جو ابوسفیان کی سرکردگی میں شام جا رہا تھا۔ اس قافلہ میں بہت سامان تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اس سے جو نفع حاصل ہوگا اس سے مدینہ پر چڑھائی کے لیے سامان حرب فراہم کیا جائے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ حضورؐ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی قافلہ کافی آگے نکل چکا تھا۔ لہٰذا حضورؐ واپس تشریف لے آئے۔ چنانچہ اسی اہم تجارتی قافلے کے بارے میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ وہ واپس آ رہا ہے تو حضورؐ نے اس قافلہ کا راستہ روکنے کا ارادہ فرمایا۔ معلوم ہو چکا تھا کہ قافلہ کے ساتھ صرف تیس یا پچاس محافظ ہیں۔ اس لیے آپؐ نے کوئی خاص تیاری نہیں فرمائی۔ اس موقع پر ساٹھ کے قریب مہاجرینؓ ساتھ تھے۔ پھر یہ بھی پہلی بار ہوا کہ قریباً ڈھائی سو انصارؓ بھی ساتھ تھے۔ جو اپنی مرضی سے اس مہم میں شامل ہوئے تھے۔ ابھی حضورؐ مدینہ سے کچھ دور پہنچے تھے کہ آپؐ کو اطلاع ملی کہ مکہ والوں کو کسی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنے والے ہیں لہٰذا وہاں سے ایک ہزار کا لشکر کیل کانٹے سے لیس سوئے مدینہ روانہ ہو چکا ہے۔

مشاورت: اب چونکہ ایک بڑا مرحلہ پیش آ رہا تھا لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہم میں شریک مہاجرینؓ و انصارؓ کو جمع فرمایا اور مشورے کے لیے یہ بات رکھی کہ مسلمانو! ایک قافلہ شمال سے ابوسفیان کی سرکردگی میں آ رہا ہے اور مال تجارت سے لدا پھندا ہے۔ تیس یا پچاس محافظ اس کے ساتھ ہیں لیکن دوسری طرف جنوب سے ایک ہزار کا مسلح لشکر بھی مکہ سے نکل کر مدینہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب مشورہ دو کہ ہمیں کدھر جانا چاہیئے۔ اور اللہ تعالےٰ نے مجھ سے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ ان دو میں سے ایک پر ہمیں ضرور فتح عطا فرمائے گا۔ اس موقع پر مہاجرینؓ نے

© rasailojaraid.